Journal of Religion & Society **(JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

An Introductory Study of the Famous Khanaqahs of Southern Punjab

جنوبی پنجاب کی مشہور خانقاہوں کا تعارفی مطالعہ

Muhammad Abu Bakar
PhD Scholar Department of Islamic Studies, Qurtuba University of Science and Information Technology. D.I.Khan Campus
Professor Dr. Abdul Wahab
Department of Islamic Studies, Qurtuba University of Science and Information Technology. D.I.Khan Campus

Abstract
Southern Punjab has long been recognized as a significant center of Islamic spirituality and Sufism in the Indian subcontinent. The region is home to numerous Khanqahs (Sufi lodges) that have played a vital role in the religious, social, educational, and cultural development of society. These institutions emerged as centers of spiritual training, moral reform, dissemination of Islamic teachings, and community welfare. Through their emphasis on love, tolerance, service to humanity, and remembrance of Allah, the Khanqahs contributed significantly to the spread of Islam and the strengthening of social harmony among diverse communities.
This study aims to provide an introductory survey of the famous Khanqahs of Southern Punjab and to highlight their historical background, spiritual significance, organizational structure, and societal contributions. The research focuses on some of the most prominent Sufi centers associated with renowned saints such as Khawaja Ghulam Farid, Bahauddin Zakariya, Shah Rukn-e-Alam, and other influential Sufi figures whose teachings shaped the religious landscape of the region. The study examines the role of these Khanqahs in spiritual guidance, religious education, conflict resolution, charitable activities, and the preservation of Islamic values.
Using a descriptive and analytical approach, the research explores the historical evolution of Khanqahi institutions and their continuing relevance in contemporary society. It also investigates the challenges faced by these institutions in the modern era, including changing social dynamics and the influence of globalization. The findings suggest that the Khanqahs of Southern Punjab remain important centers of spiritual and social influence, fostering religious consciousness, communal cohesion, and cultural heritage. The study concludes that a deeper understanding of these institutions is essential for appreciating their historical contributions and their ongoing role in promoting peace, tolerance, and ethical values within society.
Keywords: *Southern Punjab, Khanqahs, Sufism, Islamic Spirituality, Saints, Religious Education, Social Reform, Cultural Heritage.*

تعارف

تاریخ شاہد ہے کہ جنوبی پنجاب کی سیاست میں موجود سیاستدانوں کی اکثریت کسی نہ کسی خانقاہ سے منسلک ہے چاہیے وہ مذہبی سیاسی جماعت ہو یا عام سیاسی جماعت۔ ابتدائی ایام میں ان خانقاہوں نے میدان سیاست میں گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ذیل میں جنوبی پنجاب کی ان خانقاہوں کا اجمالی تعارف پیش کیا جارہا ہے جنھوں نے سیاسی وسماجی طور پر اپنا کردار ادا کیا ہے۔

شاہ محمد سلیمان تونسوی ؒ

آپ کا نام محمد سلیمان ہے والد کا نام زکریا تھا جو عبدالوہاب بن عمر خان بن خان محمد کے صاحبزادے ہیں آپ کی والدہ کا نام بی بی زلیخا تھا آپ اصلاً افغان تھے۔ آپ پیر پٹھان کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ خاندان جعفریہ سے آپ کا تعلق تھا جو قبیلہ رمدانی کی ایک شاخ ہے۔ شاہ محمد سلیمان عوام میں روہیلہ کے نام سے مشہور تھے غالبا روہ سے

روہیلا کہا گیا علاقائی زبان میں پہاڑ کو روہ کہتے ہیں روہیلا سے مراد ہے پہاڑی بندہ۔ شاہ سلیمان کی ولادت 1184ھ میں قصبہ گڑ گوجی جو کوہ درگ میں واقع ہے تونسہ سے مغرب کی جانب 30 کوس کا فاصلہ ہے[1] شاہ سلیمان کے والدان کے شیر خوار گی کے زمانے میں ہی فوت ہوگئے تھے آپ کی تربیت آپ کی والدہ بی بی زلیخانے کی ہے آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ سے حاصل کی تکمیل قران مجید اور فارسی کی ابتدائی کتابیں تونسہ میں فارسی درسیات کی تکمیل آپ نے موضع لانگہ میں میاں ولی محمد سے کی عربی تعلیم حاصل کرنے کے لیے خواجہ محمد عاقل کے مدرسہ میں تشریف لے گئے اور ان کے صاحبزادے قاضی علی احمد سے عربی تعلیم شروع کی آپ نے یہاں قطبی اور فقہ کی تعلیم حاصل کی آپ اتباع شریعت کے شروع ہی سے پابند تھے اور خلاف شریعت اور خلاف سنت کام برداشت نہیں کرتے تھے

خواجہ نور محمد مہاروی سے ملاقات:

اُچ میں خواجہ نور محمد مہاروی تشریف لائے آپ نے سن رکھا تھا کہ خواجہ صاحب سماع اور وجد سے شغف رکھتے ہیں تو آپ انہیں امر بالمعروف کرنے کے ارادے سے گئے لیکن وہاں جاکر ان کے گرویدہ ہوئے اور بیعت کی بعدہ خواجہ صاحب نے آپ کو تکمیل تعلیم کا حکم دیا آپ دوبارہ کوٹ مٹھن میں تعلیم میں مصروفِ عمل ہوئے۔ شاہ محمد سلیمان 1199ھ بمطابق 1781ء اپنے مرشد کے حکم سے شاہ فخر الدین کی خدمت میں دہلی کے لیے روانہ ہوئے لیکن اپ کے پہنچنے سے تین دن پہلے شاہ فخر وصال فرما چکے تھے آپ ان کے مزار پر 40 روز تک معتکف رہے اس کے بعد مہار کو واپسی کی اور اپنے شیخ کے پاس رہ کر ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول ہوئے آپ ذکر بالجہر کیا کرتے ہیں خواجہ نور محمد مہاروی کی خصوصی توجہ آپ پر رہتی تھی ۔ آپ نے خواجہ نور محمد مہاروی ؒ سے ظاہری علوم بھی حاصل کیے چنانچہ آپ نے آداب الطالبین فقرات لواعشرہ کاملہ اور فصول پڑھی۔ مسجد خدا بخش جو کہ کچھ فاصلے پر واقع تھی میں رہائش پذیر ہوئے۔ شاہ محمد سلیمان 15 سال کی عمر میں خواجہ نور محمد مہاروی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے آپ اپنے شیخ کی خدمت میں تقریباً چھ سال رہے 22 سال کی عمر میں خواجہ نور محمد مہاروی نے آپ کو خلافت سے سرفراز کیا۔ خلافت عطا کرنے کے بعد آپ کو تونسہ میں قیام کرنے کی ہدایت فرمائی اس وقت تونسہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا تقریبا 100 گھروں پر مشتمل وہاں آپ نے ایک جھونپڑی ڈالی اور اس جھونپڑی میں عبادت میں مشغول ہوگئے جب علاقے کا رئیس الف خان آپ کے حلقہ ءبیت میں داخل ہوا تو اس نے آپ سے اجازت لے کر آپ کے لیے مکان بنوایا۔[2]

گڑ گوجی سے تونسہ کی طرف منتقل ہونے کی عام طور پر یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے والی عوام کی کثرت گڑ گوجی کے پہاڑوں میں دقت کا شکار تھی اس لیے آپ کو کھلے میدان میں آنے کا حکم دیا گیا۔ جب آپ نے تونسہ میں اپنے خانقاہ قائم کی تو ساتھ مدرسے کا انتظام بھی فرمایا تو آپ کے پاس طالبان حق خراسان وہندوستان، عرب و عجم سے آنا شروع ہوئے آپ نے ان کے لیے لنگر کا انتظام کیا۔ بعض اوقات آپ کے پاس دو دو ہزار کا کھانا پکتا تھا۔ افغانستان کا بادشاہ شاہ شجاع آپ کے خانقاہ میں عقیدت اور محبت سے حاضر ہوتا۔ صوفیا پنجاب میں یہ بات مذکور ہے کہ سر سید احمد خان نے کہا شاہ سلیمان کی شہرت قاف سے قاف تک ہے۔ دہلی سے علماء اور صوفیاء آپ کے پاس کسب فیض کی غرض سے حاضر ہوتے تھے۔ آپ اپنے طالبان اور سالکین کے ساتھ نرمی کے ساتھ پیش آتے ہیں اور مذاہب کے ساتھ رواداری کے قائل تھے۔ عیسائیت اس وقت برصغیر میں پھیل رہی تھی ان سے سخت نفرت تھی آپ کی طبیعت میں امرا سے بے نیازی تھی۔ آپ اپنے نظام اور اوقات کے سفر حاضر میں پابند رہتے ہیں اور آپ کا وقت ذکر اذکار تلاوت اور مراقبے میں گزرتا۔ آپؒ 1267ھ بمطابق 1850ء سات صفر کو 84 سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ چونکہ آپ کے تینوں بیٹوں کی وفات آپ کی زندگی میں ہی ہو چکی تھی اس لیے آپ کے پوتے خواجہ گل محمد کے بیٹے خواجہ اللہ بخش آپ کے سجادہ نشیں ہوئے۔[3]

خواجہ سلمان تونسوی کا خاندان آگے چل کر سیاست میں شامل ہوا اور باقاعدہ ایم این اے ایم پی اے ایم این اے بن کر وزارتوں پر متمکن ہوئے۔ خانقاہ عالیہ محمودیہ کے خلفاء میں غلام سدید الدین تونسوی الیکشن میں حصہ لیا، اگرچہ ان سے پہلے بانی خانقاہ حضرت شاہ سلمان تونسوی بھی مسلمانوں کے سیاسی امور میں دخل انداز رہے ان کے زمانے میں جب عیسائیت جنوبی پنجاب میں وارد ہو رہی تھی تو انہوں نے کھل کر مخالفت کی اور بعد کے خلفاء بھی اسی طرز عمل پر کاربند رہے، شاہ سلمان تونسوی کے چوتھے خلیفہ غلام سدید الدین تونسوی کے دور میں تحریک پاکستان کا اغاز ہوا تو باقاعدہ پاکستان کی تحریک میں حصہ دار ہوئے جیسا کہ اقبال نے کہا

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری ۔

آپ نے تحریک پاکستان میں فعال کردار ادا کیا چنانچہ آپ 1945 میں مسلم لیگ کے باقاعدہ رکن بنے اور اپنے عقیدت مندوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کی تلقین کی حالانکہ آپ کی اجمیر شریف میں ذاتی جاگیر بھی تھی اور بہت سے ہندو آپ کے عقیدت مند بھی تھے لیکن آپ نے کسی چیز کی پرواہ نہیں کی۔[4]

آپ 1950 میں جناح عوامی مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ڈیرہ غازی خان کے حلقہ سے پنجاب اسمبلی کے رکن بنے اور جب وحدت مغربی پاکستان ون یونٹ کا قیام عمل میں آیا تو اپ دوبارہ رکن بنے۔ مقالہ نگار محمد اعظم چوہدری اپنے مقالہ میں تحریک پاکستان اور صوفیاء کرام ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مولانا خواجہ غلام سدید الدین مدظلہ سجادہ نشین تونسہ شریف نے ایک خاص اعلان فرمایا "مریدان باصفا اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔[5] 1946 میں ہونے والے الیکشن میں جنوبی پنجاب سے

کامیاب ہونے والے خانقاہی حضرات شجاع آباد سے سید حاجی رضا شاہ لودھراں سے سید غلام مصطفی شاہ گیلانی ،خانیوال سے سید بدھن شاہ ،کبیر والا سے سید نو بہار شاہ مسلم لیگ کی طرف سے کامیاب ہوئے۔[6]

خواجہ محمد عاقلؒ: خانوادۂ خواجہ غلام فریدؒ

خواجہ محمد عاقل خواجہ نور محمد مہاروی کے ممتاز ترین خلفاء میں سے تھے پنجاب میں نظامیہ سلسلہ کی اشاعت میں ان کا نمایاں حصہ ہے چاچڑاں، کوٹ مٹھن، احمد پور وغیرہ مقامات کے خانقاہیں انہی کی کوششوں سے وجود میں آئیں۔ آپ علمی تبحر، پابندیِ شریعت، بزرگانہ شفقت، اخلاق و مروت بیک وقت ساری صفات کے مالک تھے آپ سے ہزاروں لوگوں نے فیض پایا اور سینکڑوں خانقاہیں آپ کی طرف منسوب ہیں۔ خواجہ محمد عاقل فاروقی خاندان کے ایک فرد ہیں ان کے اجداد مغلیہ بادشاہوں اور امرائے وقت کی نظر میں خاص مقام رکھتے تھے ان کے ایک بزرگ محبوب اللہ الصمد مخدوم نور محمد تھے رئیس ارادت خان اور وزیر شاہجہان ان کا مرید تھا۔ شاہجہان نے ان کو پانچ ربیع الاول 104ھ کو پانچ ہزار ہزار بیگدا آراضی اخراجات کے لیے عطا کی۔ نور محمد کو ریجہ کے تین بیٹے تھے سلطان مخدوم، محمد یعقوب مخدوم، حاجی محمد اسحاق مخدوم پھر محمد یعقوب کے دو بیٹے تھے مخدوم غلام حیدر ان کا مزار دریائے سندھ کے کنارے یاراوالی میں ہے۔ مخدوم محمد شریف کے دو بیٹے تھے ایک قاضی نور محمد اور دوسرے قاضی محمد عاقل محمد شریف یاراوالی میں مقیم ہوگئے اور وہاں ان کے کثیر تعداد میں مرید ہوگئے تھے زہد اور قناعت توکل میں ممتاز شخصیت رکھتے تھے۔[7]

کوٹ مٹھن :

کوٹ مٹھن کو آباد کرنے والی شخصیت یہی مخدوم محمد شریف ہیں جب آپ یاراوالی میں آکر آباد ہوئے تو مٹھن خان بلوچ رئیس یاراوالی آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوا۔ ایک دن آپ کا گزر اس جگہ سے ہوا جہاں آج کوٹ مٹھن ہے دریا کے کنارے پُر فضا مقام دیکھ کر آپ نے خان موصوف سے کہا کہ اس جگہ ایک شہر آباد کیا جائے اور وہ اللہ والوں کا مسکن ہو۔ خان نے اس جگہ شہر بسانا قبول کر لیا اور مخدوم سے گزارش کی کہ وہ اس مقام کو اپنا مستقر بنائیں اس طرح کوٹ مٹھن وجود میں آیا اور مخدوم صاحب کی وجہ سے دور دور سے علماء مشائخ وہاں آکر جمع ہوگئے۔

تعلیم

آپؒ کے صابزادے خواجہ محمد عاقل نے بہت تھوڑی عمر میں کلام پاک حفظ کیا ۔ آپؒ جو یکتا زمان اور محدث دوراں تھے خود ان کو تعلیم دیتے تھے۔ علم و ادب کا وہ ذوق شوق پیدا کر دیا جو آخر عمر تک باقی رہا جس سے آپ نے ہزاروں شائقین کو علم ادب سے مستفیض فرمایا ۔ خواجہ صاحب نے والد کے علاوہ شاہ فخر صاحب اور خواجہ مہاروی رحمہ اللہ تعالی سے بھی تحصیل علوم کیا۔ شاہ فخر نے ان کو شواہد الحق اور سوا السبیل کا درس دیا خواجہ مہاروی نے ان کو حدیث کی سند عطا فرمائی۔[8]

سلسلہ درس و تدریس:

چونکہ آپ علمی ذوق رکھتے تھے، لہذا آپ نے کوٹ مٹھن میں نہایت اعلی پیمانے پر ایک مدرسہ قائم کیا ۔ بڑے بڑے علماء کو تدریس پر فیض کیا ۔ سو سے زیادہ طلباء کو درس دیتے تھے۔ مدرسہ میں ایک بڑا لنگر خانہ تھا جب آپ کوٹ مٹھن سے شینی تشریف لے گئے تو وہاں بھی مدرسہ قائم کیا اور طلبہ و اساتذہ کے لیے لنگر کا باقاعدہ انتظام کیا ۔ خواجہ صاحب کے مدارس میں جن کتابوں کا درس ہوتا تھا وہ کتب یہ ہیں: مشکاۃ شریف، احیاء العلوم، صحیح بخاری، لوائح، قصیدہ، سواء سبیل، تسنیم، فصوص الحکم، شرح وقایہ مع حواشی، ہدایہ شرح، مواقف شرح ہدایت الحکمہ، میر ہاشم، شرح عقائد، خیالی، مطول وغیرہ ۔

خواجہ نور محمد مہاروی کے آپ مرید ہوئے۔ آپ نے پھر دہلی کا سفر کیا اور خواجہ نور محمد مہاروی کے مرشد شاہ فخر صاحب کی خدمت میں حاضری دی پہلی۔ بار وہ خواجہ مہاروی کے ہمراہ مہار سے دہلی تشریف لے گئے تو سارا سفر پا پیادہ کیا ۔ دوسری مرتبہ دہلی اس طرح ہے کہ اپنے وطن سے مہار خواجہ مہارویؒ کی خدمت میں گئے وہاں معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب دہلی تشریف لے گئے۔ تو آپ بھی ان کے پیچھے دہلی تشریف لے گئے اپ نے شاہ فخر سے شرح عبد الحق اور سوا سبیل پڑھی۔ آخری بار جب مولانا فخر صاحب سے رخصت ہوئے تو انہوں نے چار کتب عنایت فرمائیں: مکتوبات شیخ عبد القدوس گنگوہی، کتاب مطول، سواء السبیل، ایک مجموعہ جس میں لوائح جامی شرح رباعیات جامی وغیرہ تھیں۔

مجاہدات اور جیل

قاضی محمد عاقل نہایت سخت مجاہدے کیا کرتے تھے ان کے زمانے میں اس طرح کے مجاہدے ناپید تھے۔[9]

آپ کو اپنے بڑے بھائی قاضی نور محمد کی وجہ سے قید و بند میں بھی جانا پڑا۔ ایک مرتبہ قاضی نور محمد جو زمین ٹھیکے پہ لیتے تھے رقم ادا نہ کر سکے تو ناظم ڈیرہ غازی خان نے ان کے چھوٹے بھائی قاضی محمد عاقل کو جو ضامن تھے قید کر لیا نو مہینے تک قید کی مصیبتیں برداشت کیں۔

خلافت

خلافت ملنے کے بعد کچھ عرصہ آپ نے بیعت کا سلسلہ شروع نہیں کیا ۔ آپ کے مرشد خواجہ نور محمد مہارویؒ نے برہمی کا اظہار کیا تو اپ نے سلسلہ شروع فرمایا۔ آپ متبع سنت تھے اور اپنے اوقات کے بہت پابند تھے لمحات کو قیمتی بناتے تھے۔لباس وخوراک اپ نہایت عمدہ لطیف لباس زیب تن فرماتے خواجہ عبید اللہ احرار رحمت اللہ علیہ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے تاہم اپ نے کبھی ریشمین کپڑا استعمال نہیں کیا خواجہ صاحب قلیل الطعام تھے دن رات میں 50 درہم سے زیادہ خوراک نہ ہوتی تھی ۔شاہ صاحب نہایت اعلی اخلاق کے مالک تھے امیر غریب بوڑھے جوان سب ان کی خدمت میں حاضر ہوتے سب کے ساتھ محبت پیار کا برتاؤ کرتے باوجود بھیڑ کے کبھی پیشانی پر بل نہیں آنے دیا۔لوگ زور زور سے گفتگو کرتے بازو پکڑ لیتے آپ نے کبھی محسوس نہیں کیا۔شاہ محمد عاقل ؒ اپنے مریدوں کی اصلاح کی طرف خاص توجہ رکھتے تھے ان میں آپ مذہبی جذبات خدا پر بھروسہ اور اسی سے ہر مشکل میں مدد مانگنے کا صحیح جذبہ پیدا فرماتے ہیں توحید اپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی صاحب تاریخ مشائخ چشت لکھتے ہیں ایک دفعہ چیچک کے عمل کے متعلق ذکر ہو رہا تو فرمانے لگے نسبت اثر بخود کردن عین شرکت موثر حقیقی حق تعالی است[10] اس سال قاضی محمد عاقل تقریبا چار مہینے بیمار رہے شدانی میں آپ نے آٹھ رجب 1229ھ کو وصال فرمایا وہاں سے کوٹ مٹھن لا کر سپرد خاک کیا گیا ۔

سجادہ نشین

قاضی محمد عاقل کے بعد ان کے صاحبزادے میاں احمد علی سجادہ نشینی پر جلوہ افروز ہوئے وہ بھی بڑے پائے کے عالم تھے سادہ طبیعت 9 شعبان 1231ھ کو وصال فرمایا کوٹ مٹھن میں سپرد خاک ہوئے۔[11] آپ کے خاندان کے معروف بزرگ خواجہ غلام فرید گزرے ہیں آپ کے خاندان میں بھی سیاسی رجحان آج تک موجود ہیں۔خواجہ غلام فرید کہتے ہیں۔

اپڑیں ملک کوں آپ وسانویں پٹ انگریزی تھانڑیں [12]

محمد جمال ملتانی ؒ

ملتان شہر صدیوں تک سہروردیہ سلسلے کا عظیم مرکز رہا شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کی بدولت 18ویں صدی میں جس شخص نے یہاں سلسلہ چشتیہ کی ابتدا کی وہ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے ایک عظیم المرتبت خلیفہ جناب محمد جمال ملتانی ہیں آپ بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے روحانی علمی صلاحیت کے ساتھ ساتھ شجاعت اور مجاہدانہ جذبات سرفروشی میں اپنی مثال آپ تھے۔خواجہ نور محمد مہاروی ؒ نے جمال ملتانیؒ کو ملتان بھیجا تو آپ نے مولوی خدا بخش کو خانقاہ بہا الحقؒ میں بیٹھ کر مرید کیا ۔[13]

محمد جمال ملتانی کو ابتدا زمانہ میں جب اپنا دست کسی مرشد کے دست میں دینے کا شوق پیدا ہوا تو آپ شیخ رکن الدینؒ ملتانی کے مزار پر حاضر ہوئے اور عبادت ریاضت میں مشغول ہوگئے۔ایک شب آپ نے اشارہ پایا کہ حضرت شیخ نور محمد مہارویؒ کی خدمت میں حاضر ہوں ، چنانچہ فورا مہار کی طرف روانہ ہوئے تو خواجہ نور محمد نے آپ سے پوچھا کہ تم نے کچھ ظاہری علم بھی حاصل کیا ہے تو انہوں نے عرض کی قران پاک اور نماز روزہ کے متعلق کچھ مسائل بعد میں جب عقدہ کھلا کہ آپ تو پائے کے عالم ہیں ،تو آپ نے پوچھا کہ آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا تو انہوں نے عرض کی کہ میں نے سنا ہے کہ مشائخ علماء سے نفرت کرتے ہیں آپ نے کہا ایسا نہیں ہے ہم تو علماء کے چاہنے والے ہیں ہمیں تو علماء ہی سمجھ سکتے ہیں بیچارے جاہل کیا سمجھیں، ہم علماء سے بہت خوش ہیں۔خواجہ صاحب کے ساتھ سفر حضر میں ساتھ رہتے عرصہ تک لوٹا برداری اور وضو کرانے کی خدمت انجام دی خواجہ صاحب کے خانقاہ میں لنگر کا اہتمام بھی اپ کے سپرد ہوا ہے۔[14]

آپ متبحر عالم دین اور درس تدریس کا ذوق رکھنے والے تھے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو چٹکیوں پر سمجھاتے تھے جب آپ ابحاث علمی کو سمجھاتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ گویا ایک سمندر ہے جو موجیں مار رہا ہے۔ آپ نے ملتان میں اپنا مدرسہ بھی قائم کیا اور خواجہ گل محمد احمد پوری بھی آپ کے دو سال تک شاگرد رہے۔

اخلاق

غریب کی دل جوئی کرنے والے اعلی اخلاق کے مالک نرم خو انسان تھے جب تک مریدین اور متعلقین کھانے سے فارغ نہ ہو جاتے آپ کھانا تناول نہ فرماتے بچوں کے ساتھ خوش دلی فرماتے ہیں اگر کوئی بات ناگوار ہوتی تو صراحتا منع نہ کرتے بلکہ تمثیلوں سے سمجھاتے ہیں۔

سیاسی نظریات

جمال اللہ نے ملتان کے دفاع میں عملی طور پر حصہ لیا تھا۔ آپ نے قلعہ کے برجوں پر مورچہ بند ہو کر غیر مسلم بیرونی حملہ آوروں کی یلغار کو بارہا دفعہ روکا۔ آپ نے اپنے خلفاء، مریدین اور تمام معتقدین کو بھی فریضہ جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے ملتان کے دفاع واستحکام کیلئے تیار کیا تھا۔ آپ کا نظریہ تھا کہ بطور مسلمان ملتان کی مسلم حکومت و ثقافت کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنا کردار ادا کرنا فرض ہے۔اسی نظریہ کے اثرات ہمیں تب بھی نظر آتے ہیں جب برصغیر پاک وہند پر انگریز مسلط ہو جاتے ہیں۔اہلیان ملتان ۱۹۳۴ء میں بھی بیرونی غیر مسلم حملہ آوروں کے مقابلہ میں مقامی مسلم امیدوار کی حمایت کرتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۳۴ء کے ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کے چیئرمین کے

انتخابات میں مخدوم محمد رضا شاہ گیلانی نے اس وقت کے انگریز ڈپٹی کمشنر ای پی فون کا مقابلہ کیا۔ اہلیان ملتان کی حمایت سے اسے ہرا کر ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیئر مین منتخب ہو گئے۔ وہ پورے ہندوستان میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے پہلے غیر سرکاری چیئر مین منتخب ہوئے تھے۔[15]

جب آپ ملتان میں جلوہ افروز ہوئے پنجاب پر سکھوں کا قبضہ تھا وہ کئی بار ملتان پر حملہ آور ہوئے آپ نے ہر بار ان کا مقابلہ کیا اور عوام میں پھیلتی مایوسی کو دور کیا ۔ آپ نے کہا ہمارے لیے تو دو درجے ہیں ایک جہاد اور دوسری شہادت ان میں سے ایک سعادت ہمیں حاصل ہو گی۔[16]

آپ انتہائی جری آدمی تھے خوف نام کی کوئی چیز آپ کے قریب نہ بھٹکتی تھی۔ ایک دفعہ جب سکھوں کے حملہ میں مسلمانوں میں مایوسی پھیلنے لگی تو اپ نے کہا ہمارے ہوتے ہوئے یہ لوگ ملتان کو حاصل نہیں کر سکتے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تیر اندازی میں آپ کی مثال نہیں تھی۔ آپ شریعت کے پابند اور رسوم کی اصلاح پر زور دیتے تھے۔

لباس

آپ اچھا لباس استعمال کرتے ہیں قادری ٹوپی پہنتے اکثر پاجامہ استعمال کرتے۔ کرتے کا گریبان چاک رکھتے تھے[17]

وصال صاحب پانچ جمادی الاول 1226 کو وصال ہوا آپ کی دو شادیاں تھیں لیکن کوئی اولاد نہیں چھوڑی آپ چاروں سلسلے میں مرید کرتے تھے ان کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ ہے بعض خلفاء کے نام یہ ہیں مولانا خدا بخش ملتانی زاہد شاہ مولوی غلام حسن قاضی عیسی خانپوری مولوی عبید اللہ ملتانی مولوی حامد صاحبزادہ غلام فرید مولانا عبدالعزیز پرہاڑوی[18] آپ وضو کا خاص اہتمام فرماتے تھے مسنون طریقہ استعمال فرماتے وضو کا لوٹا اور پانی مخصوص ہوتا تھا فرماتے تھے اگرچہ تخصیص مناسب نہیں ہے لیکن چونکہ لوگ پاکی اور ناپاکی کا خیال نہیں کرتے اس لیے مجبوراً ایسا کرنا پڑتا ہے پانی زیادہ استعمال نہ کرتے بلکہ استعمال میں بھی مسنون طریقہ استعمال کرتے ہیں ۔

آپ کا وصال 1226ھ 1811 پانچ جمادی الاول کو ہوا۔[19]

شیخ بہاؤالدین زکریا سہروردی ؒ

برصغیر میں سہروردیہ سلسلے کی بنیاد رکھنے والے اعلی شیخ بہاؤالدین زکریا ہیں آپ کے دادا مکہ معظمہ سے خوارزم اور وہاں سے ملتان کے مضافات میں تشریف لائے اور اپ کے نانا منگولوں کے حملوں سے بچ کر ہندوستان آئے اور کروڑ کے علاقے میں آباد ہوئے شیخ بہاؤالدین زکریا کروڑ میں 1172ء میں پیدا ہوئے آپ 12 سال کی عمر کے تھے کہ والد کا انتقال ہوا اس کے بعد آپ خراسان گئے سات سال تک علوم ظاہری اور باطنی کی تکمیل کی پھر آپ بخارا تشریف لے گئے حج کے لیے مدینہ منورہ میں پانچ سال تک رہ کر روضہ نبوی کی مجاوری کی اور شیخ کمال الدین محمد یمنی سے علم حدیث کی سند حاصل کی پھر بغداد گئے اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں صرف 17 دن رہے تو انہوں نے آپ کو خرقہ خلافت عطا کر دیا اس پر شیخ کے پرانے دوستوں نے شکایت کی کہ ہم تو ایک مدت سے آپ کے پاس ہیں اور ابھی تک منزل مقصود تک نہیں پہنچے لیکن اس نووارد شخص کو صرف 17 دن میں کامیابی کیسے مل گئی تو اس پر شیخ نے فرمایا کہ تم گیلی لکڑیاں لے کر آئے تھے جنہیں آگ لگنے میں ٹائم لگتا ہے۔ زکریا خشک لکڑی کے ساتھ آیا ایک ہی پھونک مارتے ہی آگ بھڑک اٹھی ۔[20]

شیخ نے آپ کو خلافت کی خلعت عطا فرمانے کے بعد حکم دیا کہ آپ ملتان میں اقامت دین کی جدوجہد کریں ،انوار غوثیہ جو آپ کی زندگی کا احاطہ کرتی ہے، میں مذکور ہے کہ شیخ ممالک اسلامی سے واپس آنے کے بعد ایک عرصہ تک صبح سرحد کی ایک پہاڑی پر گوشۂ عضلت میں عبادت کی جسے اب کوہ بودین کہتے ہیں یعنی شیخ بہاؤالدین کا پہاڑ۔ حضرت کے وعظ سن کر سندھ علاقہ ملتان اور لاہور کے بہت سارے ہندوؤں نے جن میں بہت سارے متمول تاجر بھی تھے اور کچھ ملک کے والیان بھی تھے نے دین اسلام کو قبول کیا اور جناب کے مرید ہوئے۔ حضرت نے دنیا کو فائدہ پہنچانے کے غرض سے زراعت اور تجارت کے کام کو رفتہ رفتہ بڑھایا۔ اطراف ملتان میں جہاں کہیں اچھا موقع ملا جنگلوں کو آباد کرایا کنویں اور نہریں کھدوائیں اور تجارت کی طرف بھی متوجہ رہے

بابا فرید گنج شکر جو ملتان سے تھوڑے سے فاصلے پر پاک پتن میں موجود تھے ان کے ساتھ آپ کے دوستانہ تعلقات تھے بعض لوگوں نے تو آپ دونوں کو خالہ زاد بھائی کہا ہے۔ ہندوستان میں تشریف لانے والے شیخ شہاب الدین سہروردی کے دوسرے خلفاء میں قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ جلال الدین تبریزی وغیرہ ہیں، مگر سلسلہ چشتیہ کا زور تھا اس وجہ سے انہوں نے یہاں سہروردی سلسلہ کو فروغ دینے کی ضرورت محسوس نہ کی چنانچہ قاضی حمید الدین ناگوری کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کے صرف تین مرید تھے اور شیخ جلال الدین تبریزی نے بھی بہت کم مرید پیدا کیے لیکن اس کمی کو شیخ بہاؤالدین زکریا نے پورا کیا اور ان کی وجہ سے سہروردیہ سلسلے کو ہندوستان میں ایک خاص مقام حاصل ہوا[21]۔ سہروردی چشتیہ کی طرح سماع کے قائل نہیں ہیں بلکہ عموماً شریعت اسلامیہ کے باقی سلسلوں کی نسبت زیادہ کاربند ہیں۔ شیخ بہاؤالدین زکریا کسی حد تک سماع فرما لیا کرتے تھے۔ شیخ بہاؤالدین زکریا کے مریدوں میں شیخ صدر الدین عارف جو آپ کے صاحبزادے ہیں اور پوتے شیخ رکن الدین

الفتح کے علاوہ اچ شریف کے بخاری سیدوں کے مؤسس اعلی سید جلال الدین منیر شاہ سرخ بخاری اور سندھ کے لال شہباز قلندر شامل ہیں آپ کی وفات 661ھ بمطابق 1262ء میں ہوئے آپ کا مزار ملتان کی سب سے بڑی زیارت گاہ ہے اور ان کے قرب وجوار میں بھی بہت بڑی مبارک ومتبرک شخصیات مدفون ہیں ۔

خانقاہ دین پور شریف

یوں تو دین پور شریف میں بہت ساری ہستیاں ایک ہی قبرستان میں مدفون ہیں جن کی سیاسی اور سماجی لحاظ سے قابل قدر قربانیاں ہیں اور یہ خانقاہ دیوبند مسلک کے علماء کی طرف منسوب ہے مولانا عبد اللہ درخواستیؒ جو جمیعت علمائے اسلام کے امیر رہے وہ بھی یہیں مدفون ہیں ان کے علاوہ ایک عظیم شخصیت مولانا عبید اللہ سندھی ؒ کی ہے ۔جن کا یہاں تذکرہ مقصود ہے۔

تعارف

مولانا عبید اللہ سندھی 12 محرم 1289ھ بمطابق 10 مارچ 1872 ضلع سیالکوٹ کے گاؤں چیاں والی میں پیدا ہوئے آپ کے والد سکھ مذہب سے تعلق رکھتے تھے آپ کا نام بوٹا سنگھ رکھا گیا آپ کے والد رام سنگھ تھے اور دادا جیت رائے ہے آپ کے والد آپ کی پیدائش سے چار مہینے قبل وفات پا چکے اور آپ کے دادا بھی دو سال بعد وفات پا گئے آپ کا کوئی بھائی نہیں ہے آپ کی والدہ سکھ مذہب پر ہی قائم رہیں مولانا اپنی ذاتی ڈائری میں اپنے خاندان کے متعلق لکھتے ہیں

میں ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں چیاں والی میں پیدا ہوا ہمارا خاندان کا اصلی پیشہ زرگری تھا کچھ عرصہ سے ایک حصہ سرکاری ملازمت میں شامل ہو گیا اور بعض افراد سہوکاری بھی کرتے تھے۔[22]

ابتدائی تعلیم اور قبول اسلام

ضلع ڈیرہ غازی خان جام پور کے علاقہ میں جہاں اکثر ابادی مسلمانوں کی تھی میں آپ نے اپنے ماموں کے ہاں تقریبا اپنی زندگی کے 12 سال یہیں گزارے جام پور میں حصول تعلیم کے دوران آپ کا میل جول مسلمان بچوں سے رہا اور ان کی زندگی کو بہت قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا آپ اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوئے چنانچہ 1884ء میں ایک ہندو لڑکے سے آپ کو تحفۃ الہند کتاب پڑھنے کے لیے ملی اس کتاب نے آپ کو بہت متاثر کیا اس کے بعد شاہ اسماعیل شہیدؒ کی کتاب تقویۃ الایمان اور مولوی محمد لکھنوی کی کتاب احوال الاخرت کا مطالعہ کیا مذکورہ بالا کتابوں سے متاثر ہو کر 15 سال کی عمر میں آپ نے اسلام قبول کیا تحفۃ الہند کے مصنف عبید اللہ کے نام پر آپ نے اپنا نام عبید اللہ رکھا اسلام قبول کرنے کے بعد ماموں کے گھر سے نکل جانے کا فیصلہ کیا آپ نے کسی کو اس کی اطلاع نہ کی کو چھوڑ کر اپ سندھ کی طرف روانہ ہو گئے سندھ پہنچ کر بھرچونڈی شریف کے سید العارفین محمد صدیق کی خدمت میں حاضر ہوئے محمد صدیق نے آپ کو اچھے انداز میں تربیت کی اور فرمایا کہ عبید اللہ نے اللہ کے لیے اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا اج کے بعد ہم اس کے ماں باپ ہیں مولانا سندھی نے ان سے متاثر ہو کر اپنا مستقل وطن سندھ کو قرار دیا مولانا سندھی فرماتے ہیں کہ محمد صدیق بھرچونڈی والوں کی صحبت کی وجہ سے اسلامی معاشرت میرے اندر اس طرح رچ بس گئی جس طرح ایک پیدائشی مسلمان میں رچ بس جاتی ہے۔[23]

بھرچونڈی سے آپ ریاست بہاولپور کی ایک مسجد میں ابتدائی عربی کتابیں پڑھیں اس کے بعد دین پور پہنچے جہاں سید العارفین محمد صدیق کے خلیفہ اول مولانا ابو سراج غلام محمد رہتے تھے آپ نے ان سے ہدایت النحو تک کی کتابیں پڑھیں مولانا فرماتے ہیں کہ حضرت خلیفہ نے میری والدہ کو خط لکھوایا وہ آگئیں اور واپس جانے کے لیے بہت زور لگایا مگر میں بحمد اللہ ثابت قدم رہا فرماتے ہیں کہ ایک نووارد طالب علم جن کا نام عبد القادر تھا سے ہندوستانی مدارس کا حال معلوم ہوا میں مظفر گڑھ اسٹیشن سے ریل پر سوار ہو کر سیدھا دیوبند پہنچا۔[24] آپ کے اساتذہ کرام میں مولانا رشید احمد گنگوھی شیخ الہند مولانا محمود حسن کے نام نمایاں ہیں۔مولانا سندھی نے واپس آنے کے بعد ایک مطبع قائم کیا جس میں بعض نایاب عربی اور سندھی کتابیں طبع ہوئیں اور ایک ماہنامہ ہدایت الاخوان جاری کیا۔

دار الرشاد کا قیام :

آپ کے دل میں خواہش تھی کہ اپنے کام کو تسلسل دینے کے لیے مدرسے کا قیام ضروری ہے چنانچہ آپ نے مولانا راشد اللہ کے ساتھ مل کر 1319ھ مدرسہ بنایا جس کا نام آپ نے دار الرشاد رکھا۔ سات سال تک اختیارات آپ کے پاس رہے اکابر علماء شیخ الہند وغیرہ حضرات تشریف لائے آپ ذی استعداد طلبہ کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی حکمت اور فلسفہ کے مطابق قران کریم کا درس دیتے رہے سندھی زبان کے ساتھ شغف ہونے کی وجہ سے آپ نے دینی علوم اور انقلابی افکار سے سندھی زبان کو مالا مال کر دیا۔ شاہ ولی اللہ کے فلسفے کے مطابق اپنے افادات کے ایک بڑے ذخیروں کو سندھی میں مرتب کروایا ۔

سندھیؒ کے سیاسی نظریات

مولانا عبید اللہ سندھی کے سیاسی نظریات کی ابتداء آپ کے اس ادارے سے ہوتی ہے جہاں طلباء کو روایتی نصاب ہی نہیں پڑھانا تھا، بلکہ اس کے ساتھ مشنری کی ٹریننگ دینے کا ارادہ بھی تھا۔

نظارۃ المعارف القرانیہ دلی :

مولانا سندھی نے 1914 میں یہ ادارہ اس مقصد کے لیے قائم کیا کہ انگریزی پڑھنے والے مسلمانوں میں عربی تعلیم کا شوق پیدا کیا جائے اور انہیں مشنری کی ٹریننگ بھی دی جائے مولانا سندھی کے قابل جانے کے بعد کچھ عرصہ تک آپ کے دوست ایم احمد علی نے ادارے کا نظام چلایا لیکن 25 جون 1916 کو بند کر دیا گیا۔

ترک وطن

مولانا عبید اللہ سندھی نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ وطن سے باہر گزارا۔ انہوں نے افغانستان ماسکو، ترکی وغیرہ میں اپنی زندگی کے ایام گزارے مولانا اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ میں شوال 133ھ 1915 2ء کو قابل روانہ ہوا اس سے تقریبا چار ماہ پہلے ہندوستان چھوڑنے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا اپریل 1915ء 1333ھ کے شروع میں دہلی سے سندھ چلا آیا اور چار ماہ مختلف مقامات پر گزارے۔[25]

امیر حبیب اللہ سے ملاقات:

مولانا سندھی کو افغانستان میں تقریبا ایک ماہ گزر چکا تھا اور آپ مختلف سیاسی لیڈروں کے ساتھ ملاقاتیں کر چکے تھے امیر حبیب اللہ کے ساتھ ملاقات نہیں ہو رہی تھی تو ایک دن جب وہ ٹینس کھیلنے کے لیے کلب جا رہے تھے تو مولانا سندھی افغانی لباس میں ان کے راستے پر کھڑے ہوئے تو انہوں نے پوچھ لیا کہ یہ کون ہے تو لوگوں نے مولانا کا تعارف کرایا تو انہوں نے کھانے پر مدعو کیا یوں ان کی ملاقات ہوئی مذاکرات ہوئے تو امیر حبیب اللہ نے مولانا کو افغانستان میں کام کرنے کی اجازت دی اور افغانستان کی شہریت بھی عطا کی اور پورے عالم اسلام میں کام کرنے کی بجائے ہندوستان کی ازادی کے لیے کام کرنے کا مشورہ دیا۔[26]

افغانستان میں مولانا سندھی کی گرفتاری :

مولانا عبید اللہ سندھی کو اپنے ساتھیوں کو مسلح ٹریننگ دینے پر اور افغانستان کے آزادی کے جہاد میں حصہ لینے پر انگریز کے دباؤ کی وجہ سے امیر حبیب اللہ خان نے آپ کو ایک مکان میں ساتھیوں سمیت نظر بند کر دیا اور بعد میں کچھ خیر خواہوں کے مداخلت پر مولانا کو ایک باغ میں منتقل کر دیا گیا جب امیر حبیب اللہ کا قتل ہوا تو ان کا بیٹا امیر امان اللہ ولی عہد بنا تو اس نے مولانا کو رہا کر دیا۔[27]

وزیر اعظم کی پیشکش

مولانا اپنی ذاتی ڈائری میں بتاتے ہیں امیر امان اللہ نے بیعت کے چند دن بعد مجھے بلایا اور کہا کہ میں آپ کو وزیر اعظم بنانا چاہتا ہوں میں نے جوابًا عرض کیا کہ یہ عہدہ کسی افغانی کو دیا جائے پھر وہ جو مشورہ لے گا میں دوں گا میں کسی منصب یا عہدہ کو قبول نہیں کر سکتا کیونکہ اگر میں وزیر اعظم بن گیا تو افغانی سرداروں میں ناراضگی پھیل جائے گی جو مصلحت اور خیر خواہی افغانستان کے استحکام کے متعلق ہو گی آپ کی خدمت میں عرض کرتا رہوں گا اور جو وزیر اعظم بنایا جائے گا اسے بھی مشورہ دیتا رہوں گا امیر امان اللہ اس بات سے بہت خوش ہوئے۔ افغانستان کا انگریز حکومت کے ساتھ معاہدہ تھا کہ افغانستان اگر جنگ عظیم میں غیر جانبدار رہا تو انگریز حکومت انہیں تین کروڑ پاؤنڈ عطا کرے گی جنگ عظیم کے بعد امیر امان اللہ نے تین کروڑ پاؤنڈ کا مطالبہ کیا تو انہوں نے کہا کہ اپ نے جنگ میں حصہ لیا لیکن امیر نے کہا کہ جب تک جنگ عظیم رہی ہے افغانستان غیر جانبدار رہا اس کے بعد اپنے ملک میں ازادی کی جنگ لڑی اور تمہیں بے دخل کیا چنانچہ یہ مذاکرات چلتے رہے بالاخر یہ طے ہوا اس شرط پر انگریز حکومت افغانستان کو تین کروڑ پاؤنڈ ادا کریں گے کہ وہ مولانا سندھی کو سیاسی تحریک سے علیحدہ کر دیں اور اپنے ملک سے نکال دیں چنانچہ امیر امان اللہ نے مولانا سندھی سے کہا کہ اب اپنا کام بند کر دو کیونکہ میں نے انگریزوں سے معاہدہ کر لیا ہے۔[28]

انگریزوں کا اعتراف

جب افغانستان کے جشن ازادی کی تیاری ہوئی تو اس جشن ازادی کی تقریب میں انگریزی نمائندہ بھی شامل ہوا اس نے اپنی تقریر میں کہا کہ یہ آزادی افغانستان کی نہیں بلکہ مولانا عبید اللہ سندھی کی فتح ہے۔

وفات

مولانا عبید اللہ سندھی نے جو مشن اپنایا تھا کہ عالمی سیاست کا نقشہ بدل دینا اسی مشن پر تادم آخر قائم رہے اور بالآخر عالم اسلام کے عظیم سپوت 21 اگست 1944 بمطابق 1363ھ میں ضلع رحیم یار خان تحصیل خانپور سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر خانقاہ دین پور واقع ہے جہاں آپ کی وفات اور تدفین ہوئی۔[29]

تعارف خانقاہ پیر سواگ ؒ:

آپ کے والد گرامی کا نام ملک لال بن احمد یار بن یار محمد ہے آپ کی قومیت سواگ ہے دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر موضع ڈگر سواگ ضلع لیہ جائے ولادت ہے ۔ آپ کی پیدائش 1267ھ بتائی گئی ہے اور سن وصال ھ 1358 ۔

آپ کا قد متوسط رنگ گندمی ابرو کشادا تھے ریش مبارک سفید اور دراز تھی لباس سادہ اور سفید استعمال کرتے کبھی نیلا اور سیاہ تہبند بھی استعمال کرتے تھے عمامہ شریف ہمیشہ سفید باندھتے گرمی ہو یا سردی سر پر چادر اوڑھتے اور عصا ہاتھ میں رکھتے خانقاہ شریف میں حاضر ہونے والوں کی خبر گیری خود فرماتے جب تک صحت قائم رہی لنگر شریف خود تقسیم فرماتے تھے نماز پڑھاتے ہوئے طویل طویل سورتیں ترتیل کے ساتھ پڑھتے تھے۔ نماز تہجد، اشراق کبھی قضا نہیں ہوتی تھی۔ صلاۃ تسبیح بروایت حضرت ابن عباس اکثر پڑھتے۔ ایک مدت تک حصن حصین شریف اور دعا حزب البحر کا ورد فرماتے رہے قران کریم کا ختم عموما ایک ماہ میں اور ماہ رمضان میں ایک ہفتہ میں اور کبھی اس سے کم و بیش وقت میں فرماتے۔ رات کے وقت بنفس نفیس لوگوں کو تہجد کے لیے بیدار فرماتے۔ دو وقت یعنی بعد از فجر اور بعد از عصر مراقبہ کی تاکید فرماتے۔ تمام ختوم میں خود بیٹھتے مگر آخر عمر میں صبح کے وقت میں ضرور شرکت فرماتے۔ جمعہ عیدین کے غسل کا کبھی ناغا نہیں فرمایا۔ غسل کے بعد نئے کپڑے اور قبا زیب تن فرماتے۔ ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنا اور ریش مبارک میں کنگی کرنا عادت مبارک تھی۔ 12 ربیع الاول شریف اور عیدین کے موقع پر کثیر تعداد میں ختم قران مجید اور بہت زیادہ صدقہ و خیرات فرماتے۔ رمضان المبارک میں ایک ختم تراویح میں سنتے 27 رمضان شریف کو ختم فرماتے۔ تراویح کے بعد سورت ملک تلاوت فرماتے اور آخر عمر میں قاری سے سنتے۔ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف بھی بیٹھتے۔ عید کے دن زائرین کے لیے وسیع لنگر کا انتظام کیا جاتا ہے۔[30]

پیر سواگ کے تجدیدی کارنامے دین اسلام کی اشاعت

صاحب فیوضات حسنیہ کہتے ہیں۔ سنت رسول ﷺ کی سربلندی تبلیغ دین متین کے سلسلے میں پیر سواگ حسین امتزاج اور شریعت طریقت کا روشن چراغ تھے فیوضات حسنیہ کے مصنف کہتے ہیں آپ اپنی پوری زندگی میں لادینیت بدعقیدگی اور برائی کے خلاف مصروف جہاد رہے۔ وہ آپ کے مجدد ہونے پر دلائل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ان اللہ یبعث۔۔۔ مصنف کہتے ہیں کہ محدثین نے یہ وضاحت کی ہے کہ مجدد کے لیے ضروری ہے کہ ایک صدی کے آخر اور دوسری صدی کی ابتدا میں اس کے علم و عرفان اور شرف و فضل کا خوب شہرا اور چرچہ ہو مجدد کی علامت یہ ہے کہ وہ شریعت و طریقت کا جامع ہو۔ سنتوں کو زندہ کرنے والا، بدعتوں کو مٹانے میں سرگرم اس کے بعد و نصیحت اور عبادت و تبلیغ سے لوگوں کو نفع کثیر پہنچے، لہذا جس شخص نے صدی کے آخر کو نہیں پایا اس زمانہ میں اس سے احیائے دین نہیں ہوا وہ مجددین کی فہرست میں شامل نہیں۔[31]

اس کے بعد آپ کی تاریخ پیدائش اور سال درج کر کے یہ ثابت کرتے ہیں کہ آپ مجددین میں شامل ہیں۔ مصنف آپ کی شادی و اسلام کی جدوجہد کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اپ نے اپنی نگاہ کے فیضان سے سینکڑوں غیر مسلم ہندوؤں اور سکھوں کی تقدیر بدل کر انہیں حلقہ اسلام میں داخل کیا قریہ قریہ بستی بستی اور گھر گھر جا کر احکام خداوندی کو پہنچایا اپ کی توجہ سے ازار بدعقیدہ راہ راست پر ائے اور مسلک اہل سنت کے پابند ہوئے بے شمار نوجوانوں کو نہ صرف مسلمان کیا بالغوں نے مکمل دینی تعلیم سے اراستہ کر کے خلافت سرفراز فرمایا۔[32]

آپ صرف گوشہ نشینی اختیار کر کے اپنی عبادت میں مصروف رہنے والے نہ تھے، بلکہ باطل کے خلاف بر سرپیکار رہنے والے مجاہد بھی تھے۔ آپ نے مجدد الف ثانی کی سنت کو زندہ کیا قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ صرف اس جرم کی پیدائش میں آپ کو بے شمار مقدمات میں الجھایا گیا جو غیر مسلم بھی آپ کے سامنے آتا تھا وہ تیر نگاہ کا وار برداشت نہ کرتا اور بے ساختہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ آپ خلاف شرح بات کو برداشت نہیں کرتے تھے ذرا سی بھی کوئی حرکت خلاف شرح ہوتی تو آپ اس کی فورا اصلاح کرتے آپ کے چہرے پر غصہ اور جلال کے آثار فورا ظاہر ہو جاتے ہیں۔

آپ کی نسل میں سیاست کا شعور رہا ہے اس وقت بھی آپ کے خاندان میں صاحبزادہ فیض الحسن اسمبلی کے ممبر رہے ہیں۔

سید احمد سعید شاہ کاظمی :

سید احمد سعید شاہ کاظمی آپ کا نسب سیدنا امام موسی کاظمؒ سے منسلک ہے آپ 1913ء امروہ شہر میں سید محمد مختار کاظمی کے ہاں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت کی تکمیل اپنے بڑے بھائی سید محمد خلیل کاظمی امروہی سے حاصل کی 16 سال کی عمر میں سند فراغت حاصل کی۔ انہی کے دست پر سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیت ہوئے اور اجازت و خلافت حاصل کی آپ نے تدریس کا آغاز جامعہ نعمانیہ لاہور سے کیا اس وقت 28 اسباق پڑھاتے تھے۔[33]

اس کے بعد 1913 میں امروہ مدرسہ محمدیہ میں چار سال پڑھاتے رہے 1935 کے اوائل میں ملتان تشریف لائے مسجد فتح شیر بیرون لوہاری دروازہ میں درس قران و حدیث کا اغاز کیا جو 18 سال کے عرصے میں مکمل ہوا آپ پر مخالفین نے بہاولپور کے گاؤں بلھا جھلن میں دوران تقریر قاتلانہ حملہ کیا لیکن آپ محفوظ رہے 1944 میں ملتان کے وسط میں زمین خرید کر مدرسہ انوار العلوم قائم کیا مختصر عمارت میں آپ درس و تدریس کی خدمت سرانجام دیتے رہے۔ اب تک اس مدرسہ سے سینکڑوں طلبہ علوم اسلامیہ کی تکمیل کر کے ملک اور بیرون ملک دین متین کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ علامہ کاظمی نے برصغیر کی تقسیم اور مسلمانوں کے لیے

علیحدہ مملکت کے قیام کے لیے گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔ قیام پاکستان کی توثیق کے لیے بنارس سنی کانفرنس میں بھرپور شرکت کی اور پاکستان کے حامیوں کی نمائندگی کی۔

1948ء میں آپ نے علماء مشائخ کنونشن منعقد کر کے جمعیت علمائے پاکستان کی بنیاد ڈالی۔ مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری صدر اور آپ کو ناظم اعلی مقرر کیا گیا۔ محکمہ اوقاف کی طرف سے 1963ء میں جامعہ اسلامیہ میں شعبہ حدیث کے سربراہ کی حیثیت سے کام کیا ،1953ء میں تحریک ختم نبوت میں ولولہ انگیز کردار ادا کیا مجلس صدارت کے فرائض آپ نے سر انجام دیے بالاخر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار پانے اس تحریک کا کردار ہے ۔

1976 میں تحریک نظام مصطفی میں آپ کا کردار نمایاں ہے 1978 میں ملتان سنی کانفرنس میں جمعیت علمائے پاکستان کے ساتھ دینی فقہی امور کی بجاآوری کے لیے غیر سیاسی تنظیم جماعت اہل سنت کا قیام عمل میں لایا گیا علامہ کاظمی لاکھوں کے اجتماع میں صدر منتخب ہوئے۔[34]

مدارس درس نظامی کی اصلاح و تنظیم کے لیے آپ نے تنظیم المدارس پاکستان کی بنیاد رکھی جس کے آپ صدر رہتے تھے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں جن میں البیان ترجمہ قران کریم اور التبیان فی تفسیر القران شامل ہیں۔ آپ 73 سال کی عمر میں 25 رمضان المبارک 1406ھ روزہ افطار کرنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا اور مالک حقیقی سے جاملے مرکزی عید گاہ ملتان میں آپ کا مزار اور خانقاہ ہے۔[35] آپ کے صاحبزادے سید حامد سعید کاظمی وزیر مذہبی امور رہے ہیں۔

سید موسی پاک شہید ؒ

سید موسی پاک شہید رحمت اللہ علیہ سید عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالی کی اولاد سے ہیں گیارویں پشت میں آپ کا شجرہ نسب غوث اعظم سے جاملتا ہے آپ کے مورث اعلی شیخ محمد غوث جیلانی ولایت روم سے براستہ خراسان بمقام اچ تشریف لائے اور یہاں قیام پذیر ہوگئے آپ ولی کامل بزرگ تھے۔ سلطان قطب الدین لنگاہ بھی آپ کا مرید تھا۔ آپ کی کنیت ابوالحسن ہے موسی پاک شہید 952ھ بمقام اچ پیدا ہوئے آپ کے والد سید حامد گنج بخش گیلانی اچی ہیں آپ الٰہی رضاجوئی میں یکتائے زمانہ ہے۔[36]

کنیت ولقب:

آپ نے جملہ علوم میں تھوڑے ہی عرصہ میں مہارت تامہ حاصل کرلی۔ علم باطنی سے بھی بدرجہ کمال بہرہ اندوز ہوئے۔ جب والد گرامی کے سامنے آپ نے ظاہری و باطنی تکمیل پائی تو آپ کو بخطاب جمال الدین ابوالحسن مخاطب ہوئے۔ آپ کے والد گرامی آپ سے بے پناہ محبت کرتے تھے چنانچہ زندگی میں ہی آپ کو اپنا جانشین مقرر کیا اگرچہ بعد میں آپ کے بڑے بھائی نے سجادہ نشینی کے متعلق تنازعہ کیا اور بادشاہ وقت تک بھی نوبت پہنچی لیکن سجادہ نشینی آپ ہی کے حق میں برقرار رہی۔ بڑے بڑے علماء اور فضلاء آپ سے مستفید ہوئے، چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی بھی آپ ہی کے مرید ہیں۔ آپ کو حضرت غوث اعظم کی روحانیت کے ساتھ ساتھ ایک محبت خاص تھی کہ ہر وقت حضور رہتا اور صدہا مرتبہ خواب و بیداری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوگئے آپ 58 سال کی عمر میں ڈاکوؤں کے ہاتھوں شہید ہوئے اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ ملک میں طوائف الملوکی برپا ہونے کی وجہ سے عام طور پر بدامنی تھی ایک دفعہ قزاقوں نے آپ کے مریدوں کی ایک بستی پر حملہ کیا آپ نے یہ خبر پاتے ہی فرمایا کہ میرا وقت آگیا فوراایک ہاتھی پر سوار ہو کر رہزنوں کا تعاقب کیا رہزن فرار ہوگئے لیکن قوم لنگاہ کے ایک بدخواہ نے حضور کے پہلو میں تیر مارا جس کے تکلیف سے آپ جانبر نہ ہوسکے۔[37]

تدفین۔

آپ کو والد گرامی کے قدموں میں دفن کیا گیا لیکن حضور کی اولاد کو عالم خواب میں اشارہ ہوا کہ تم نے قطب کو میرے قدموں میں دفن کردیا ، جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے چنانچہ آپ کے صاحبزادہ نے نعش مبارک وہاں سے نکلوا کر ملتان کے قریب معجزہ منگے ہٹی میں دفن کی اور خود ملتان میں سکونت اختیار کی۔ بروایت دیگر 15 برس بعد صاحبزادہ سید حامد گنج بخش کو خیال پیدا ہوا کہ نعش مبارک کو ملتان منتقل کر دیا جائے چنانچہ نعش کو وہاں سے نکال کر ملتان لانے کے لیے لگے تو دیکھا کہ نعش صحیح سالم تھی اور ان کو کسی قسم کی کوئی نقصان نہ پہنچا تھا چنانچہ اس وقت صندوق دستیاب نہ ہو سکا اس نے نعش مبارک کو گھوڑے پر سوار کر کے ملتان لائے۔ لوگ دیکھ کر بے حد متعجب اور معتقد ہوئے۔ القصہ حضور کو جسد اطہر کو اس روزہ مبارک میں دفن کیا گیا۔ حضرت کے چار بیٹے تھے اول سید حامد گنج بخش سجادہ نشین جو متصل روزہ حضرت مدفون ہیں۔ دوم سید یحیی نواب ملتان جن کا روضہ مابین پاک دروازہ و حرم دروازہ واقع ہے سوم سید عیسی جن کا روضہ حرم دروازہ پر ہے اور عوام الناس ان کو پیر عنایت ولایت کے نام سے یاد کرتے ہیں چہارم سید جان محمد جن کا مزار دہلی میں ہے حضرت کے مریدین بلخ بخارا ایران تران افغانستان تک پھیلے ہوئے ہیں حضرت موسی پاک شہید کا روضہ اقدس پاک دروازے کے اندر ہے۔ ملتان کا پاک دروازہ آپ ہی کے نام سے مشہور ہے تاریخ شہادت 23 شعبان 1010ھ حدیقۃ الاولیاء میں 1001 لکھی ہوئی ہے۔[38]

سید موسیٰ پاک شہید ؒ کا خاندانی پس منظر:

اولیاءبہاولپور کے مصنف لکھتے ہیں خانوادہ قادریہ کے جن بزرگوں نے اس سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا انہیں یہ فخر بھی حاصل ہے کہ شیخ عبد القادرؒ جیلانی سے براہ راست تعلق نسبی بھی رکھتے ہیں۔[39] آپ کے خاندان کے پس منظر میں پہلی شخصیت حضرت سید محمد غوث جن کا سلسلہ نسب سات واسطوں سے شیخ عبد القادر جیلانی سے ملتا ہے 887ھ میں اچ میں تشریف لائے خزینۃ الاصفیاء میں مفتی غلام سرور لاہوری آپ کی جلالت شان یوں رقم طراز فرماتے ہیں ۔سید محمد غوث گیلانی الحلبی الاخی قدس سرہ از عالم مشائخ واکابر سادات حسنی است و درستی نسب وصحت حسب اینی بود وجانشین وخلیفہ اولاد پاک حضرت غوث اعظمیہ قدس سرہ است ۔[40]

آپ کے اجداد میں سے سید ابو العباس احمد بن سید صفی الدین ہلاکو کے حملہ بغداد کے وقت وطن چھوڑ کر حلب میں اقامت گزیں ہوگئے تھے۔حضرت سید محمد غوث یہیں پیدا ہوئے اسی وجہ سے انہیں حلبی کہتے ہیں۔

نوجوانی میں آپ خراسان ترکستان اور عرب عجم کی سیر وسیاحت کرتے ہوئے ہندوستان آئے اور کچھ عرصہ لاہور اور کچھ عرصہ ناگور میں رہے اس کے بعد واپس وطن تشریف لے گئے اور اپنے والد گرامی سے مستقل طور پر ہندوستان میں قیام کرنے کی اجازت چاہی،انہوں نے اپنی زندگی تک اپنے سے بیٹے کو جدا کرنا گوارا نہ کیا۔والد کے انتقال کے بعد آپ براستہ خراسان ہندوستان آئے اور اچ میں قیام پذیر ہوئے۔آپ علم وفضل میں یگانہ روزگار روحانیت میں درجہ کمال کے حامل تھے۔[41]

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

> کہ صاحب عظمت وکرامت و ابہت وجلالت جامع علوم معقول ومنقول تھے ولایت روم سے خراسان آئے اور وہاں سے ملتان تشریف لاکر اچہ میں سکونت اختیار کی ایک مرتبہ اکثر معمورہ عالم کے سیر وسیاحت بالکل تن تنہا اور بے تکلفی میں کی دوسری مرتبہ بہت خیل وحشم اور بے شمار ملازمین متعلقین کے ہمراہ اس ملک میں رونق افروز ہوئے۔وہ کہتے ہیں کہ بادشاہ وقت اپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا اور اپ کے پیوستگان سے نہایت محبت واخلاص کے ساتھ پیش آیا تھا۔سکندر لودھی بادشاہ دہلی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل تھا اور آپ کی شادی خزینۃ الاصفاء کے مطابق سلطان قطب الدین لنگا کی بیٹی کے ساتھ ہوگئی مگر اس سے اولاد نہ ہوئی تو آپ نے دوسری شادی کی جس سے آپ کے چار بیٹے پیدا ہوئے سید عبد القادر ثانی سید عبد اللہ ربانی سید مبارک حقانی اور سید محمد نورانی پیدا ہوئے۔[42]

سید عبد القادر ثانی :

آپ کے بڑے بیٹے سید عبد القادر ثانی کی بدولت سلسلہ قادریہ برصغیر میں پھلا پھولا۔والد ماجد کی وفات کے بعد آپ سجادہ نشین ہوئے،لیکن دنیا سے بیزاری کا عالم بدستور قائم رہا یہاں تک کہ بادشاہ وقت جو اپ کے خانوادہ کے عقیدت مندوں میں سے تھا اس سے بھی راہ ورسم گوارا نہ کی۔اس طرز عمل سے بادشاہ کبیدہ خاطر ہوا اور خلافت سجادگی سے آپ کو محروم کرنے کی تدبیر سوچنے لگا۔بادشاہ کی اس ارادے کا حال آپ کو معلوم ہوا تو اپ نے اسے لکھ بھیجا کہ تمہاری دی ہوئی جاگیریں اور عطیات ہمارے کسی کام کی نہیں میں تمام فرامین اور اسناد واپس بھیج رہا ہوں انہیں جسے چاہو دے دو۔[43] وفات 18 ربیع الاول 940ھ 78 سال کی عمر میں ہوئی مزار اچ میں اپنے والد ماجد سید محمد غوث کے پہلو میں ہے۔

سید عبد الرزاق گیلانی

آپ سید عبد القادر ثانی کے فرزند ارجمند اور جانشین تھے۔واجد ماجد کے انتقال کے وقت آپ ناگور میں بغرضِ تعلیم مقیم تھے۔والد کی وفات اور تجہیز وتکفین کے بعد وطن پہنچے۔اپنے والد کی وصیت کے مطابق آپ مسند سجادگی پر فروکش ہوئے صرف دو سال کے بعد آپ بھی وفات پاگئے پانچ جمادی الاخرہ 942ھ میں انتقال فرمایا اس میں سپرد خاک ہوئے۔

سید حامد گنج بخش

سید حامد گنج بخش سید عبد الرزاق گیلانی کے فرزند ارجمند اور شیخ عبد القادر ثانی کے مرید تھے اپ بے حد اثر ونفوذ کے مالک تھے بادشاہانِ وقت آپ کے دروازہ فیض اندازہ کی خاکروبی کو تاجِ افتخار سمجھتے تھے اسباب دنیا بے حد وحساب میسر تھے،لیکن کبھی صاحب نصاب نہیں ہوئے جو کچھ حاصل ہوتا فقراء مساکین میں تقسیم کردیتے تمام عمر یاد خدا اور کار خدا میں صرف کردی ہزاروں مخلوق نے آپ سے ہدایت پائی 978ھ میں انتقال ہوا۔اس میں دفن ہوئے۔مصنف اولیاء بہاولپور لکھتے ہیں آپ نے اپنی حیات میں ہی اپنے بڑے صاحبزادے سید عبد القادر ثالث کی بجائے چھوٹے صاحبزادے سید ابو الحسن جمال الدین موسیٰ پاک شہید کو اپنا جانشین نمزد کیا لیکن والد کی

وفات کے بعد انہوں نے والد کی وصیت کو نظر انداز کر کے اپنی سجاد کی کا اعلان کیا اس صورتحال سے دل برداشتہ ہو کر حضرت موسی پاک اچ سے ترک سکونت کر کے ملتان تشریف لے آئے۔[44]

خلاصۃ البحث

جنوبی پنجاب برصغیر کے اُن خطوں میں شمار ہوتا ہے جہاں صوفیائے کرام کی علمی، روحانی اور اصلاحی خدمات نے معاشرے کی تشکیل و تعمیر میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اس خطے میں قائم خانقاہیں نہ صرف روحانی تربیت کے مراکز رہیں بلکہ انہوں نے دینی تعلیم، سماجی اصلاح، فلاحِ عامہ اور بین المذاہب ہم آہنگی کے فروغ میں بھی نمایاں خدمات انجام دیں۔ زیرِ نظر مقالے میں جنوبی پنجاب کی مشہور خانقاہوں کا تعارفی مطالعہ پیش کیا گیا، جس کے ذریعے ان خانقاہوں کے تاریخی پس منظر، روحانی تسلسل، علمی خدمات اور معاشرتی اثرات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تحقیق سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ جنوبی پنجاب کی خانقاہیں اسلامی تعلیمات کے فروغ اور تصوف کی ترویج کا مؤثر ذریعہ رہی ہیں۔ ان خانقاہوں سے وابستہ مشائخ نے اپنے حسنِ کردار، اخلاقِ حسنہ، دعوت و تبلیغ اور خدمتِ خلق کے ذریعے عوام الناس کے دلوں میں دینِ اسلام کی محبت پیدا کی۔ خصوصاً ملتان، اوچ شریف، پاکپتن، کوٹ مٹھن، تونسہ شریف اور دیگر علاقوں کی خانقاہوں نے روحانی مرکزیت حاصل کی اور لاکھوں افراد کی دینی و اخلاقی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔

اس مطالعے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ خانقاہی نظام نے مختلف ادوار میں سماجی استحکام، امن و رواداری، اخوت و محبت اور انسانی ہمدردی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ اگرچہ جدید دور میں معاشرتی تبدیلیوں اور نئے فکری رجحانات کے باعث خانقاہی نظام کو متعدد چیلنجز کا سامنا ہے، تاہم ان اداروں کی روحانی اور ثقافتی اہمیت آج بھی برقرار ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ خانقاہیں اپنی اصل اصلاحی اور تربیتی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کردار ادا کریں۔

حاصلِ تحقیق یہ ہے کہ جنوبی پنجاب کی خانقاہیں صرف مذہبی مراکز نہیں بلکہ اس خطے کے علمی، ثقافتی اور سماجی ورثے کا اہم حصہ ہیں۔ ان کی تاریخ، خدمات اور اثرات کا مطالعہ نہ صرف تصوفِ اسلام کی تفہیم میں مدد دیتا ہے بلکہ جنوبی پنجاب کی تہذیبی شناخت کو سمجھنے کے لیے بھی ناگزیر ہے۔

حوالہ جات

---

[1] سیالوی، محمد شوکت علی، انوار زکریا، جامعہ سلیمانیہ تونسہ مقدسہ، تونسہ شریف، 2020ء، ص 47۔

[2] قدوسی، اعجاز الحق، تذکرہ صوفیائے پنجاب، سلمان اکیڈمی کراچی، 1996ء، ص 641۔

[3] سیالوی، محمد شوکت علی، انوار زکریا، ص 49۔

[4] چشتی، افتخار احمد، پروفیسر، تذکرہ خواجگان تونسوی، چشتیہ اکادمی فیصل آباد، 1985ء ص 1 / 175۔

[5] چوہدری، محمد اعظم، تحریک پاکستان میں پنجاب کا حصہ 1849ء تا 1947 جامعہ کراچی 1991ء ص 112۔

[6] ایضاً

[7] فقری، عالم، تذکرہ اولیائے پاکستان، شبیر برادرز لاہور 19871 ص 1 / 321۔

[8] ایضاً

[9] ایضاً

[10] نظامی، خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت، مشتاق بک کارنر لاہور، س۔ن، ص 564۔

[11] ایضاً ص 565۔

[12] خواجہ غلام فرید، دیوان فرید، ملتان: جھوک پبلشرز، دولت گیٹ، ص 54۔

[13] نظامی، خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت 573۔

[14] ایضاً 575۔

[15] مجاہد حسین، سید، ملتان کے مسلم ثقافت میں حافظ جمال اللہ ملتانی اور ان کے خلفاء کا کردار 20 20 جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

[16] نظامی، خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت 578

[17] قدوسی، اعجاز الحق، تذکرہ صوفیاء پنجاب، سلمان اکیڈمی، کراچی، 1962ء ص 89۔

[18] قادری، اخلاق احمد، صوفیاء پنجاب اور ان کی تعلیمات، ورلڈ ویو پبلشرز، 1996، ص 606۔

[19] قدوسی، اعجاز الحق، تذکرہ صوفیائے پنجاب ص 609۔

[20] امیر حسن، خواجہ، دہلوی، فوائد الفوائد، ترجمہ حسن ثانی، خواجہ، دہلوی دہلی، س۔ن، ص159۔

[21] ایضاً

[22] سندھی، عبید اللہ، مولانا، ذاتی ڈائری، مکی دار الکتب لاہور 1995، ص17۔

[23] سندھی، عبید اللہ، مولانا، ذاتی ڈائری ص18۔

[24] ایضاً

[25] ایضاً

[26] مجیب الرحمٰن، مقالہ جمال الدین ناصر اور مولانا عبید اللہ سندھی کا تصور انقلاب، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی 2007 سیشن 2002-ص105

[27] سندھی، عبید اللہ، مولانا، ذاتی ڈئری ص32

[28] ایضاً

[29] مجیب الرحمٰن، مقالہ جمال الدین ناصر اور مولانا عبید اللہ سندھی کا تصور انقلاب ص145۔

[30] فیوضات حسنیہ ابو الانوار محمد عبد الرحمن الحسنی مکتبہ حسنیہ مجددیہ دربار عالیہ سواگ شریف لعل عیسن کروڑ ضلع لیہ استمبر 1991ء۔78۔

[31] ایضاً

[32] فیوضات حسنیہ ابو الانوار محمد عبد الرحمن الحسنی مکتبہ حسنیہ مجددیہ دربار عالیہ سواگ شریف لعل عیسن کروڑ ضلع لیہ اشاعت ستمبر 1991ء۔ ص92۔

[33] قادری، سید امتیاز حسین: تذکرہ اولیاء ملتان، تاجران کتب اردو بازار ملتان س،ن ص207۔

[34] ایضاً

[35] قادری، سید امتیاز حسین، تذکرہ اولیاء ملتان، تاجران کتب اردو بازار بیرون بوہڑ گیٹ ملتان سن ص208۔

[36] گیلانی، محمد اولاد علی، سید: اولیاء ملتان، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور جنوری 1946 ص 438۔

[37] ایضاً

[38] گیلانی، محمد اولاد علی، سید: اولیاء ملتان، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور جنوری 1946 ص 442۔452

[39] شہاب، مسعود حسن: اولیاء بہاولپور، اردو اکیڈمی بہاولپور 1976ء ص225۔

[40] سرور، غلام، مفتی، مترجم بھٹی، ظہیر الدین، محمد، خزینۃ الاصفیاء، مکتبہ نبویہ لاہور، 1990 ج سوم ص243۔

[41] شہاب، مسعود حسن، اولیاء بہاولپور ص226۔

[42] دہلوی، عبد الحق، محدث، مترجم محمد فاضل، سبحان محمود، اخبار الاخیار مکتبہ دانش، دیوبند، انڈیا، س۔ن ص444۔

[43] شہاب، مسعود حسن: اولیاء بہاولپور ص230۔

[44] شہاب، مسعود حسن: اولیاء بہاولپور، ص232۔